ترا دل تو ہے صنم آشنا......

تحریر......مصطفٰے عزیز آبادی
(رکن مرکزی رابطہ کمیٹی ۔ انچارج مرکزی میڈیا سیل ایم کیوایم)
azizabadi90@yahoo.co.uk

5 فروری 2009ء کو روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے میرے جوابی کالم بعنوان ''جواب آں غزل......انصار عباسی صاحب کی خدمت میں'' کے جواب میں انصار عباسی صاحب کا جواب الجواب روزنامہ جنگ میں 7 فروری کو بعنوان ''مجھے ہے حکم اذاں......'' شائع ہوا۔ اپنے اس جواب الجوابی کالم میں انصار عباسی صاحب نے معزول چیف جسٹس جسٹس افتخار چوہدری کے پی سی او کے تحت حلف اٹھانے کے بارے میں کچھ عذر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ سوالات بھی اٹھائے ہیں جن کا جواب دیا جانا انصار عباسی صاحب کے ریکارڈ کی درستگی، قارئین کرام کی معلومات اور عوام کو مزید حقائق سے آگاہ کرنے کیلئے ضروری ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی جمہوریت کا حسن یہی ہے کہ گالی کے بجائے دلیل کی زبان میں بات کی جائے اور ہمارا اصول بھی یہی ہے کہ ''قائل کرلو یا قائل ہو جاؤ''۔ انصار عباسی صاحب کے جواب الجوابی کالم پر تفصیلی بحث سے پہلے ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ہماری تحریر کی شائستگی کو سراہا۔ یہ شائستگی ہماری زبان اور تہذیب کا خاصہ اور قائد تحریک جناب الطاف حسین کی تعلیم و تربیت کا لازمی جزو ہے۔ کاش کہ ایم کیوایم اور قائد تحریک جناب الطاف حسین پر قلم اٹھانے والے حضرات بھی اسی طرح شائستگی اختیار کریں اور دلائل کی زبان میں بات کریں تو ہم ایک بہتر سیاسی ماحول قائم کرسکتے ہیں۔

اب ہم آتے ہیں انصار عباسی صاحب کے جوابی کالم کی طرف۔ سب سے پہلے تو محترم انصار عباسی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ میثاقِ جمہوریت اور معزول ججوں کی بحالی کا مسئلہ جناب الطاف حسین نے نہیں بلکہ میاں نواز شریف صاحب اور ان کی جماعت نے چھیڑا ہے اور اس انداز سے چھیڑا ہے کہ وہ نہ صرف صدر آصف علی زرداری صاحب کو مسلسل تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں بلکہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس جناب جسٹس عبدالحمید ڈوگر اور سپریم کورٹ کے تمام معزز جج صاحبان پر مغلظات اور الزامات کی بوچھاڑ کررہے ہیں حتیٰ کہ عدلیہ جو کہ ریاست کا ایک بنیادی ستون ہوتی ہے اس تک کے ساتھ مسلسل خطرناک چھیڑ چھاڑ کررہے ہیں اور توہینِ عدالت کے مرتکب ہو رہے ہیں جو ایک بڑی جماعت کے سربراہ اور دو مرتبہ ملک کے وزیر اعظم رہنے والے فرد کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔

اکثر کہا جاتا ہے کہ 2 نومبر والی عدلیہ میں شامل بہت سے جج صاحبان نے 3 نومبر 2007ء کو جنرل پرویز مشرف کی جانب سے ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد PCO یعنی Provisional Constitutional Order (عبوری آئینی حکم نامہ) کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کردیا تھا۔ یہاں ہم عوام کی آگاہی کیلئے یہ بات بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حقیقت یہ نہیں ہے کہ ان جج صاحبان کو PCO کے تحت حلف اٹھانے کیلئے کہا گیا اور انہوں نے حلف اٹھانے سے انکار کردیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان جج صاحبان کو حلف اٹھانے کیلئے زحمت ہی نہیں دی گئی ورنہ احوالِ واقعی تو یہ ہے 2 نومبر والی عدلیہ میں شامل سپریم کورٹ اور ہائیکورٹس کے کئی جج صاحبان حلف اٹھانے کیلئے دعوت ملنے کے منتظر تھے۔ ہمیں اس بات پر افسوس ہے کہ معزول ججوں کی بحالی کے معاملے پر ایک اصولی مؤقف اختیار کرنے کو انصار عباسی صاحب ایم کیوایم کی جانب سے ججوں کی مخالفت قرار دے رہے ہیں حالانکہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔ ہمارا مؤقف یہ ہے کہ عدلیہ کی آزادی و خودمختاری کو کسی ایک فرد یا چند افراد کی بحالی سے مشروط نہ کیا جائے اور یہ نہ کہا جائے کہ عدلیہ اسی وقت آزاد تصور کی جائے گی کہ جب فلاں فلاں جج بحال ہوں گے۔ اگر عدلیہ کی

آزادی کو کسی ایک فرد یا چند افراد کی ذات سے منسوب کیا جائے گا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان چند افراد کے چلے جانے کے بعد عدلیہ کی آزادی کو ہمیشہ کیلئے ختم تصور کیا جائے گا؟ کیا عدلیہ کی آزادی اوراس کا تقدس اس طرح بحال ہوگا کہ عدلیہ کے تقدس کے علمبردار وکلاء رہنما یہ کہیں کہ ''اگر سپریم کورٹ نے جسٹس افتخار چوہدری کی بحالی کے حق میں فیصلہ نہیں دیا تو سپریم کورٹ کی عمارت کو آگ لگا دیں گے؟''، عدلیہ کی آزادی کا یہ کونسا تصور ہے کہ اگر 2 نومبر 2007ء والی عدلیہ 20 جولائی 2007ء کو معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو بحال کرنے کا فیصلہ دے تو جسٹس افتخار محمد چوہدری کے حامی وکلاء وسیاسی رہنما اسے نہ صرف قبول کریں بلکہ اسے آزاد عدلیہ کا مظہر قرار دیں مگر وہی 2 نومبر والی عدلیہ 28 ستمبر 2007ء کو جنرل پرویز مشرف کو وردی میں صدارتی انتخابات لڑنے کی اجازت دے تو عدلیہ کی آزادی وخودمختاری کے علمبردار وکلاء سیاسی رہنما نہ صرف 2 نومبر والی عدلیہ کے اس فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کردیں بلکہ اس فیصلہ پر سپریم کورٹ اوراسکے معزز جج صاحبان کو مغلظات دیں؟ کیا اپنی مرضی کے ججوں کی تقرری اوراپنی مرضی کے فیصلوں کیلئے عدالتوں پر دباؤ ڈالنے اورصرف اپنی مرضی کے فیصلوں کو قبول کرنے کا عمل ہی عدلیہ کی آزادی وخودمختاری ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں عدلیہ کی آزادی وخودمختاری کے علمبرداروں سے بہتر تو جنرل پرویز مشرف کا عمل تھا جسے ''ڈکٹیٹر'' کہا جاتا ہے جس نے معزول چیف جسٹس افتخار چوہدری کی بحالی کے فیصلے کو کھلے دل سے تسلیم کیا۔ ہم بھی دل کی گہرائیوں سے عدلیہ کی آزادی وخودمختاری پر یقین رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں مگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وکلاء کی یہ تحریک عدلیہ کی آزادی وخودمختاری کیلئے نہیں مخصوص سیاسی مقاصد کیلئے چلائی جارہی ہے۔ اگر وکلاء کی تحریک صرف معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحالی کیلئے ہوتی تو وہ 20 جولائی 2007ء کو جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحیثیت چیف جسٹس بحالی کے بعد ختم ہوجاتی مگر وکلاء وسیاسی رہنما درحقیقت معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی بحالی نہیں بلکہ صدر پرویز مشرف کی معزولی چاہتے تھے اسی لئے جب 28 ستمبر 2007ء کو 2 نومبر والی عدلیہ نے جنرل پرویز مشرف کو وردی میں صدارتی انتخاب لڑنے کی اجازت دی تو آج 2 نومبر کی عدلیہ کی دہائی دینے والے تمام وکلاء وسیاسی رہنما اس وقت سراپا احتجاج بن گئے، وکلاء رہنماؤں نے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے موقع پر الیکشن کمیشن کا گھیراؤ کرنے کا اعلان کیا، جماعت اسلامی نے تو اس وقت 2 نومبر والی عدلیہ کا تابوت بنا کر باقاعدہ اسکے جنازے کا جلوس نکالا جو ریکارڈ پر موجود ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ پہلے بھی اس وکلاء تحریک کا مقصد معزول چیف جسٹس افتخار چوہدری کی بحالی نہیں بلکہ جنرل پرویز مشرف کی وردی اورانہیں کرسیء صدارت سے اتارنا تھا اورآج بھی اس کا مقصد جسٹس افتخار چوہدری کی بحالی اورعدلیہ کی آزادی نہیں بلکہ اسکے نام پر لانگ مارچ اوردھرنے کے ذریعے صدر آصف علی زرداری، منتخب حکومت، پارلیمنٹ اور پورے جمہوری نظام کی بساط الٹ کر غیر جمہوری قوتوں کو مداخلت کی دعوت دینا ہے اورملک میں اپنی مرضی کی عدلیہ اوراپنی مرضی کی حکومت قائم کرنا ہے۔ اپنے اس مقصد کا اعلان سپریم کورٹ بار کے صدر علی احمد کرد صاحب نے مورخہ 7 فروری 2009ء کو راولپنڈی ڈسٹرکٹ بار کے زیراہتمام منعقدہ وکلاء کنونشن میں معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب، چوہدری اعتزاز احسن صاحب اور دیگر وکلاء رہنماؤں کی موجودگی میں واشگاف انداز میں خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا'' 16 مارچ کو جس کو چاہیں گے لاکر عدالتوں میں بٹھادیں گے، ہمارا راج کل بھی تھا، آج بھی ہے، کوئی روک سکتا ہے تو روک لے، اسمبلی کو صرف ایک ماہ کی مہلت ہے کہ وہ ججوں کو بحال کردے ورنہ دمادم مست قلندر ہوگا''۔ محترم انصار عباسی صاحب اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے اور بتائیں گے کہ کیا عدلیہ کی آزادی، خودمختاری اور تقدس اسی کو کہتے ہیں؟ معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب، علی احمد کرد صاحب، چوہدری اعتزاز احسن صاحب اورانکے احباب ملک میں آئین وقانون کی حکمرانی چاہتے ہیں یا اپنا راج قائم کرنا چاہتے ہیں؟ انتہائی معذرت کے ساتھ کہنا چاہوں گا کہ کیا عدلیہ کی آزادی وخودمختاری اور آئین وقانون کی حکمرانی کے علمبرداروں کو غنڈوں اور بدمعاشوں کے انداز میں بات کرنا زیب دیتا ہے؟ کسی دانشور کا کہنا ہے کہ،

" It is nice to be powerfull but it is more powerfull to be nice. "

یعنی ''طاقتور ہونا اچھی بات ہے مگر اچھا ہونا اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتا ہے''۔

محترم انصار عباسی صاحب نے اپنے جوابی کالم میں فرمایا ہے کہ ''جسٹس افتخار محمد چوہدری نے دومرتبہ نہیں بلکہ ایک مرتبہ PCO کے تحت حلف اٹھایا تھا''۔ تو ہم انصار عباسی صاحب کے ریکارڈ کی درستگی کیلئے عرض کردیں کہ جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب نے جنرل پرویز مشرف کے پی سی او کے تحت ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبہ حلف اٹھایا تھا۔ ایک مرتبہ 26 جنوری 2000ء کو بلوچستان ہائیکورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے اور دوسری مرتبہ 4 فروری 2000ء کو سپریم کورٹ کے جج

کی حیثیت سے۔ جہاں تک انصار عباسی صاحب کی اس بات کا تعلق ہے کہ ''ایم کیوایم آج بھی جسٹس افتخار محمد چوہدری کو 2000ء والے PCO کی بنیاد پر رد کر رہی ہے''۔ تو ہماری گزارش یہ ہے کہ ایم کیوایم کی معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب سے کوئی ذاتی لڑائی نہیں ہے بلکہ بات صرف اصول کی ہے کہ آپ جنرل پرویز مشرف کے پہلے پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے جسٹس افتخار محمد چوہدری کو تو عدلیہ کا ہیرو قرار دیتے ہیں لیکن اسی جنرل پرویز مشرف کے دوسرے پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے ججوں کو غیر آئینی اور غدار قرار دے رہے ہیں۔ آپ نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹنے، پی سی او نافذ کرنے، آئین میں ترمیم کرنے اور بقول آپکے مارشل لاء نافذ کرنے پر جنرل پرویز مشرف کو تو ڈکٹیٹر، آمر اور جمہوریت اور آئین کا قاتل اور قومی مجرم قرار دیتے ہیں اور ان کا مواخذہ کرنے اور آئین کو توڑنے پر ان پر آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت high treason یعنی غداری کا مقدمہ چلانے کی بات کرتے ہیں لیکن ان تمام سنگین جرائم میں جنرل پرویز مشرف کے معاون ومددگار بننے والے اور ان جرائم کو آئینی تحفظ فراہم کرنے والے جسٹس افتخار محمد چوہدری کو قومی ہیرو بنائے ہوئے ہیں۔ ہم انصار عباسی صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ ملک کی عدالتی تاریخ کے صفحات سے ظفر علی شاہ کیس میں سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو مٹا سکتے ہیں جو 12 مئی 2000ء کو اس وقت کے چیف جسٹس ارشاد حسن خان، جسٹس افتخار محمد چوہدری اور سپریم کورٹ کی بینچ کے دیگر ارکان نے دیا تھا اور جس فیصلے میں انہوں نے نہ صرف 12 اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف کی جانب سے میاں نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹنے کا غیر آئینی اقدام جائز قرار دیدیا تھا بلکہ جنرل پرویز مشرف کو آئین میں ترمیم کرنے تک کا اختیار بن مانگے دیدیا تھا اور متاثرہ فریق کے بجائے جنرل پرویز مشرف کی فوجی حکومت کو وہ ریلیف دیدیا جو اس نے مانگا بھی نہیں تھا۔ جسٹس افتخار محمد چوہدری اور سپریم کورٹ کے دیگر جج صاحبان کی جانب سے دیا جانیوالا یہ فیصلہ جس نے جنرل پرویز مشرف کے غیر جمہوری وغیر آئینی اقدامات کو آئینی تحفظ فراہم کیا اور ملکی تاریخ میں غیر آئینی اقدامات کی ایک نئی بنیاد ڈالی آج بھی سپریم کورٹ کے لیگل جرنل PLD 2000 ایس سی 57 پر موجود ہے۔ اسی طرح پاکستان لائرز فورم کیس میں 13 اپریل 2005ء کو سپریم کورٹ کے جس فل بینچ نے جنرل پرویز مشرف کو چیف آف آرمی اسٹاف اور صدر مملکت کے دو عہدے رکھنے کا اختیار دیا، جسٹس افتخار محمد چوہدری سپریم کورٹ کے اس فیصلے میں بھی شریک تھے۔ ملک کی سیاسی عمارت میں غیر آئینی اقدام کی ایک اور اینٹ رکھنے والا یہ اہم فیصلہ سپریم کورٹ کے لیگل جرنل PLD 2005 ایس سی 719 پر رقم ہے۔

ہمارا اصولی مؤقف یہ ہے کہ اگر 12 اکتوبر 1999ء کو نواز شریف صاحب کی منتخب حکومت کا تختہ الٹنے، ملک میں پی سی او نافذ کرنے، آئین توڑنے اور دیگر غیر آئینی اقدامات کرنے پر جنرل پرویز مشرف ملک وقوم کے مجرم ہیں تو انکے قومی جرائم کو اپنے عدالتی فیصلوں کے ذریعے درست اور جائز قرار دینے والے اور غیر آئینی اقدامات کو آئینی تحفظ فراہم کرنے والے بھی ملک وقوم کے اتنے ہی مجرم ہیں، پھر ملک کا آئین توڑنے کے جرم میں آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت صرف جنرل پرویز مشرف پر ہی غداری کا مقدمہ چلانے کی بات کیوں کی جاتی ہے؟ ملک کا آئین توڑنے کے عمل کو درست اور جائز قرار دینے والے اور غیر آئینی اقدامات کو آئینی تحفظ فراہم کرنے والے تمام ججوں بشمول جسٹس افتخار محمد چوہدری پر بھی غداری کا مقدمہ کیوں نہ چلایا جائے؟ اتنی سادہ سی بات تو انصار عباسی صاحب کو بھی بخوبی معلوم ہوگی کہ ہمارے ملک کے قانون کے تحت صرف قتل کرنے والا ہی سزا کا حقدار قرار نہیں پاتا بلکہ قتل میں معاونت کرنے والا بھی برابر کا مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ پھر یہ کونسا اصول ہے کہ جرم کرنے والے ایک فرد کو تو قومی مجرم قرار دیا جائے جبکہ اس کے جرم میں معاونت کرنے اور اس جرم کو آئینی تحفظ فراہم کرنے والے کو قومی ہیرو کہا جائے؟ ایک کے گلے میں لعنت وملامت کے طوق ڈالے جائیں اور دوسرے کو پھولوں کے ہار پہنائے جائیں؟ ایک کا سر قلم کردیا جائے اور دوسرے کو سر پر بٹھایا جائے؟ وکلاء تحریک کے مرکزی رہنما چوہدری اعتزاز احسن صاحب اپنے وقت کے ڈکٹیٹر کے غیر آئینی اقدامات کو درست اور جائز قرار دینے والے جسٹس منیر کی قبر پر تو کوڑے برسانے کی بات کرتے ہیں لیکن جنرل پرویز مشرف کے مارشل لاء کو درست اور جائز قرار دینے والے جسٹس افتخار محمد چوہدری کو اپنا پیشوا بنائے ہوئے ہیں۔

برصغیر کی آزادی کے عظیم رہنما، اپنے وقت کے ایک بڑے عالم اور قادر الکلام شخصیت حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ اپنے ایک تاریخی خطبہ میں فرماتے ہیں ''کوئی سچی بات محض اسلیئے ترک نہیں کی جاسکتی کہ لوگ اس کا استقبال نہیں کریں گے، سچ سچ ہے اگرچہ تمام عالم میں اس کا ایک بھی دوست نہ ہو۔ دنیا میں بہت سے لوگ ہوں گے کہ جنہیں چراغ کی روشنی دھندلی نظر آتی ہوگی، یہ ان کی آنکھوں کا ضعف ہے، ان کی خاطر چراغ گل نہیں کئے جاسکتے''۔

محترم انصار عباسی صاحب نے اپنے جوابی کالم میں جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب کی جانب سے جنرل پرویز مشرف کے پی سی او کے تحت حلف اٹھانے کی

غلطی کوتسلیم تو کیا ہے مگر ساتھ ہی انہوں نے انسان کے نظریاتی طور پر تبدیل ہونے کے حوالے سے حضرت عمرؓ، قائداعظم محمد علی جناح اور ذوالفقار علی بھٹو کی مثالیں پیش کرتے ہوئے یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری بھی اب فکری طور پر تبدیل ہوچکے ہیں لہٰذا ماضی کو بھلا دیا جائے اور جسٹس افتخار محمد چوہدری کو آزاد اور خودمختار عدلیہ کی ضمانت تسلیم کرلیا جائے۔انصار عباسی صاحب یہ استدلال بھی پیش کرتے ہیں کہ ’’کیا ہم ماضی کی غلطیوں سے کچھ سیکھنے کے بجائے انہیں ہمیشہ دہراتے رہیں گے؟‘‘ انصار عباسی صاحب! آپ لوگ الطاف حسین اور ایم کیوایم کے خلاف 70ء اور 80ء کی دہائی میں قائم کئے جانے والے جھوٹے مقدمات اور بے بنیاد الزامات کا ڈھول آج تک پیٹ رہے ہیں لیکن آج جب چوہدری صاحب کے کھلے جرائم کی بات آئی ہے تو آپ ہمیں نصیحت فرمارہے ہیں کہ ماضی کو بھول جائیے، یہ کونسا انصاف ہے؟ کونسا اصول ہے؟ انصار عباسی صاحب دین اسلام کی بات کرتے ہیں تو پیغمبر اسلام سرکار دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تو جس بات کا درس دوسروں کو دیتے پہلے خود اس پر عمل کرتے تھے۔کیا انصار عباسی صاحب میں اتنی اخلاقی جرات ہے کہ وہ ہمیں ماضی کو بھول جانے کا درس دینے سے پہلے اپنے قلم اور زبان سے اہل پاکستان خصوصاً اہل پنجاب سے یہ کہیں کہ ایم کیوایم اور الطاف حسین پر لگائے جانے والے ماضی کے تمام الزامات جھوٹے ثابت ہوچکے ہیں لہٰذا ماضی کو دہرانا چھوڑ یئے اور ایم کیوایم اور الطاف حسین کو ایک قومی جماعت اور ایک قومی رہنما کی حیثیت سے تسلیم کرلیجئے؟ اگر انصار عباسی صاحب ایسا کریں تو ہم ان کی انصاف پسندی اور اصول پسندی کے قائل ہوجائیں گے۔ہمیں اس بات پر بھی بہت افسوس ہے کہ محترم انصار عباسی صاحب نائن الیون کے واقعہ کے بعد پرویز مشرف کی پالیسیوں کی حمایت کرنے پر ایم کیوایم پر تولعن طعن کررہے ہیں اور جنرل پرویز مشرف کی حمایت کرنے پر ایم کیوایم اور قائد تحریک جناب الطاف حسین سے معافی مانگنے کا مطالبہ کررہے ہیں مگر جنرل پرویز مشرف کے مارشل لاء کو آئینی تحفظ فراہم کرنے والے معزول چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی حمایت اور تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملارہے ہیں۔انصار عباسی صاحب جواب دیں کہ پالیسی کی حمایت کرنیوالا بڑا مجرم ہوتا ہے یا اس کوعدالتی فیصلوں کے ذریعے درست اور جائز قرار دینے والا اور انہیں آئینی تحفظ فراہم کرنے والا بڑا مجرم ہوتا ہے؟ امام الانبیا حضور اکرمؐ کی انصاف پسندی کا عالم تو یہ تھا کہ ایک موقع پر انہوں نے ارشاد فرمایا، اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ دیتا۔لیکن دین اسلام کی بات کرنے والے انصار عباسی صاحب انصاف اور قانون کو بھی تعصّبات کے خانوں میں بانٹ رہے ہیں۔جو ایسا عمل کریں ان کی زبان سے دین کی باتیں زیب نہیں دیتیں۔

جہاں تک انسان کے تبدیل ہونے کی بات ہے تو محترم انصار عباسی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ کوئی بھی فرد اپنے سابقہ نظریہ سے تائب ہوکر اور گمراہی کے راستے پر چلنے پر شرمساری کا اظہار کر کے ہی نئے نظریہ کو اپناتا ہے اور گمراہی سے راہِ راست پر آتا ہے۔جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب نے بھی اگر واقعتاً یہ عہد کرلیا ہے کہ وہ آئندہ کسی جرنیل کے مارشل لاء کو عدالت کی چھتری فراہم نہیں کریں گے اور اگر ان میں واقعی اتنی ہمت آگئی ہے کہ وہ باوردی جرنیلوں کے سامنے کھڑے ہوسکتے ہیں تو پھر ہم انصار عباسی صاحب سے گزارش کریں گے کہ وہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے جسٹس افتخار محمد چوہدری صاحب سے کہیں کہ وہ نہتے عوام کے سامنے بھی تھوڑی سی اخلاقی جرات وہمت کا مظاہرہ کریں اور عوام کی عدالت میں آکر جنرل پرویز مشرف کے پی سی او کے تحت حلف اٹھانے اور ان کی مارشل لاء حکومت کے غیر آئینی اقدامات کو آئینی تحفظ فراہم کرنے پر قوم سے اعلانیہ معافی مانگیں۔اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یقیناً ایم کیوایم بھی ان کے اس عمل کا بھرپور خیر مقدم کرے گی اور عوام کی نظر میں بھی انکی عزت بحال ہوگی۔ویسے بھی اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر شرم وندامت کا اظہار کرلینے سے انسان چھوٹا نہیں ہوتا بلکہ یہ بڑائی کی بات ہے۔

محترم انصار عباسی صاحب نے اپنے کالم میں سوال کیا ہے کہ ’’ایم کیوایم نے 2000ء میں پی سی او سے انکار کرنے والے ججوں کے حق میں اس وقت مظاہرے کیوں نہیں کئے اور مشرف کی مخالفت میں کیوں نہ بولے‘‘۔ہمیں انکے اس سوال پر شدید حیرت ہوئی ہے کیونکہ 2000ء کے اخبارات کے ریکارڈ پر جنرل پرویز مشرف کے پی سی او کے خلاف اور پی سی او کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کرنے والے ججوں کے حق میں قائد تحریک جناب الطاف حسین کے بیانات موجود ہیں ۔رہی بات اس معاملے پر مظاہرے کرنے کی تو ایم کیوایم نے تو کبھی خود کو عدلیہ کی آزادی وخودمختاری کا چیمپئن قرار نہیں دیا مگر ہم محترم انصار عباسی صاحب سے ایک بار پھر یہ سوال کرتے ہیں کہ آج عدلیہ کی آزادی وخودمختاری کے چیمپئن بننے والے وکلاء رہنما جو سینے ٹھونک ٹھونک کر بڑی بڑی باتیں کررہے ہیں انہوں نے میدان میں آکر کوئی احتجاجی مظاہرہ، کوئی مارچ یا کوئی دھرنا کیوں نہ کیا؟ آج جمہوریت، انسانی حقوق اور عدلیہ کی آزادی کے علمبردار سیاسی ومذہبی رہنما اور ایکس سروسز مین اس

وقت کہاں چھپے بیٹھے تھے؟

آج میں اپنے اس کالم کے ذریعے انصار عباسی صاحب اور تمام قارئین کرام کے علم میں ایک ایسی بات لانا چاہتا ہوں کہ جسے پڑھ کر عدلیہ کی آزادی کے تمام سورماؤں کا اصل کردار سامنے آجائے گا۔آج عدلیہ کی آزادی کے سب سے بڑے چیمپئن میاں نواز شریف صاحب نے جب اپنے دوسرے دورِحکومت میں ایم کیوایم کو کچلنے کیلئے 30 اکتوبر 1998ء کو سندھ میں گورنر راج نافذ کیا، سندھ کی منتخب اسمبلی معطل کی اور سول عدالتوں کو عضوئے معطل بنا کر غیر آئینی طور پر فوجی عدالتیں قائم کیں تو اس وقت فوجی عدالتوں اور غیر آئینی اقدامات کے خلاف عدلیہ کی آزادی وخودمختاری کا کوئی چیمپئن سامنے نہیں آیا، اس وقت میدان میں اگر کوئی آیا تو الطاف حسین اور ایم کیوایم۔اس وقت ایم کیوایم نے فوجی عدالتوں کے قیام کے خلاف قانونی جنگ لڑنے کا فیصلہ کیا۔ایم کیوایم کے ڈپٹی کنوینر آفتاب شیخ ایڈوکیٹ اور سندھ ہائیکورٹ کے موجودہ جج جناب قاضی خالد علی فوجی عدالتوں کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر پٹیشن کی پیروی کی درخواست لیکر اسلام آباد میں ایک ایک سینئر وکیل کے پاس گئے لیکن عدلیہ کی آزادی کے چیمپئنوں میں سے کوئی بھی فوجی عدالتوں کے قیام کے خلاف دائر کی جانے والی اس پٹیشن کی پیروی تک کرنے کیلئے تیار نہ ہوا۔یہاں ہم لاہور کے سینئر وکیل ڈاکٹر باسط ایڈوکیٹ کو سلام پیش کریں گے کہ جنہوں نے مثالِ حرآگے آکر اس پٹیشن کی پیروی کی اور ایم کیوایم کی کئی روزہ قانونی جنگ کے نتیجے میں سندھ سے غیر آئینی طور پر قائم کردہ فوجی عدالتوں کا خاتمہ ہوا۔

ایک بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ قائد تحریک جناب الطاف حسین نے میثاق جمہوریت کی شق 3 کی ذیلی شق A اور B کے بارے میں سیدھا سا سوال تو میاں نواز شریف سے کیا تھا مگر انصار عباسی صاحب انکے وکیل بن کر جواب دے رہے ہیں۔ ہماری ان سے گزارش ہوگی کہ وہ قائد تحریک جناب الطاف حسین کو آئینی وقانونی ماہرین کی کمیٹی بنا کر اسکے سامنے سوالات رکھنے کا مشورہ دینے کے بجائے اپنے محبوب ورفیق میاں نواز شریف صاحب سے کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ سامنے آکر قوم کو ان سوالات کا جواب دیں۔اب آخر میں رہی بات لانگ مارچ میں شریک ہونے کی تو محترم انصار عباسی صاحب کو ہمارا برادرانہ مشورہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو لانگ مارچ میں شرکت کی دعوتیں دینے اور اس کیلئے مجبور کرنے پر اپنی توانائیاں خرچ کرکے عزتِ سادات کیوں خراب کررہے ہیں اور لانگ مارچ سے سیاسی و نظریاتی اختلافات رکھنے والوں کے اختلاف رائے کا حق تسلیم کیوں نہیں کرتے۔انصار عباسی صاحب اور انکے ہمنوا وکلاء وسیاسی رہنماؤں سے لانگ مارچ یا کسی بھی معاملے پر اصولی اختلاف رکھنا اور اپنی اختلافی رائے کا اظہار کرنا ایم کیوایم کا جمہوری حق ہے لہٰذا ایم کیوایم کے اختلافِ رائے کے اس حق کا احترام کیا جائے، اسے تحمل سے برداشت کیا جائے اور اپنی رائے دوسروں پر تھوپنے کے عمل سے گریز کیا جائے کیونکہ اختلاف رائے جس دین کا حسن ہے اسی دین کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''لا اکراہ فی الدین'' یعنی دین میں جبر نہیں۔لہٰذا دین پر واقعی ایمان ہے تو پھر ''جیو اور جینے دو'' ۔ وما علینا الا البلاغ المبین ۔

☆☆☆☆☆